مولانا صلاح الدین احمد

(حالاتِ زندگی)

مولانا صلاح الدین ۲۵ مارچ ۱۹۰۲ء کو مولوی احمد بخش کے ہاں لاہور میں پیدا ہوئے۔ چار سال کی عمر میں والد کا انتقال ہوا اور اُن کی تربیت اُن کی والدہ ماجدہ نے کی۔ ابتدائی تعلیم اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالہ دروازہ لاہور میں حاصل کی۔ اسلامیہ کالج لاہور سے ایف۔اے کیا۔ اسی دوران ترک موالات کی تحریک شروع ہوئی۔ اس تحریک کے زیر اثر انہوں نے کالج کو خیر باد کہہ دیا۔ بعد میں نیشنل یونیورسٹی سے بی۔اے کی ڈگری حاصل کی۔ جلیانوالہ باغ کے خونی حادثے کے بعد ان کے دل میں جذبہ نفرت شدت اختیار کر گیا اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ انگریزوں کی ملازمت نہیں کریں گے۔

یتیمی کے باعث ابتدائی زندگی عُسرت میں بسر ہوئی۔ ابتدا میں ''انصاف'' اخبار میں ملازمت اختیار کی۔ بعد میں اپنے بچپن کے دوست منصور احمد کے تعاون سے رسالہ ''خیالستان'' جاری کیا۔ مگر یہ رسالہ کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکا۔ کچھ عرصہ بعد مولانا نے پہلے ایڈورٹائزنگ ایکسپریس کمپنی اور پھر پبلسٹی لمیٹڈ کے نام سے ادارہ قائم کیا۔ ۱۹۳۵ء میں اُردو کا سب سے ستا ماہنامہ ''ادبی دنیا'' جاری کیا۔

مولانا کو ادبی ماحول بچپن ہی میں میسر آ گیا تھا۔ وہ اُردو زبان کے مشہور نقاد تھے۔ ان کی تنقید تحقیق کا درجہ رکھتی ہے۔ وہ تنقید برائے تنقید کے قائل نہیں تھے بلکہ اُن کے ہاں تنقید برائے صداقت و اصلاح کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ انہوں نے ہمیشہ بے لاگ تنقید کر کے نقاد حضرات کے لیے ایک راستہ متعین کر دیا۔

مولانا صلاح الدین احمد نے طنز و مزاح سے اپنی تحریروں کو شگفتہ اور مؤثر بنانے کا کام لیا۔ انہوں نے متانت کی فضا کو مزاح سے شگفتہ کرنے کی بھرپور کوشش کی اور یوں اپنی ادبیت کے وقار اور معیار کو قائم رکھا۔ انہوں نے طنز کو معاشرتی اصلاح کے حربے کے طور پر استعمال کیا۔ اُن کی تحریروں میں بذلہ سنجی اور خوش مزاجی موجود ہے۔

مولانا کی تحریروں میں اُن مقامات پر زیادہ جوش اور ولولہ موجود ہے۔ جہاں آپ قوم کی آزادی اور مسلمانوں کی قربانیوں کا ذکر کرتے ہیں۔ ایسے مقامات پر آپ کی تحریر میں روانی اور برجستگی پیدا ہو جاتی ہے جو پڑھنے والے کو بے حد متاثر کرتی ہے۔

مولانا کا اندازِ نگارش سادہ، سلیس اور عام فہم ہے۔ وہ سادہ اور عام فہم الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ وہ تکلف اور بناوٹ سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔ اُن کی تحریروں میں بے ساختگی، نرمی، روانی اور سلاست جیسی صفات بدرجہ اُتم موجود ہیں۔

۱۹۶۴ء میں لاہور میں وفات پائی۔

کہنے کی باتیں

(مولانا صلاح الدین احمد)

مقاصدِ تدریس

۱۔ طلبہ کو قدیم اور جدید شاعروں کے فرق سے آگاہی دینا۔
۲۔ مولانا صلاح الدین احمد کے اسلوب نثر سے آگاہ کرنا۔
۳۔ دفتری احکام، یادداشتیں، نکاح کے فارم وغیرہ سمجھ کے ساتھ پڑھ کر پُر کروانا۔

خاص الفاظ وتراکیب: ہجومِ زار ۔ متمول ۔ محفلِ سماع ۔ ضمیمہ ۔ اربابِ نشاط ۔ طبائع ۔ طرحی غزلیں
کشاں کشاں ۔ سخنوری ۔ تحت اللفظ

کسی صاحبِ نظر کا قول ہے کہ ہماری غزل مشاعرے کی گود میں پلی ہے۔ میں اس پر اتنا اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ غزل کی جوانی بھی مشاعروں ہی میں چمکی اور اس کی پختگی بھی؛ اسی ماحول میں اپنے کمال کو پہنچی۔ مگر زمانے کا رنگ دیکھیے کہ وہی غزل جس کے پرتوِ حُسن سے مشاعرے جلوہ زار بن جاتے تھے اب ان محفلوں میں بار تک نہیں پاتی اور سچ پوچھو تو یہ محفلیں بھی نام کو رہ گئی ہیں۔ ورنہ ان کا انداز ایک ہجوم زار سے کچھ مختلف نہیں ہوتا اور ان کا انعقاد تو شرمناک حد تک ارزاں اور بے معنی ہو گیا ہے۔

پچھلے دنوں پنجاب کے ایک متمول ضلع میں ایک مجلسِ مشاعرہ اور ایک محفلِ رقص و سرور بیک وقت منعقد کی گئیں۔ مشاعرہ ضلع کے صدر مقام میں اور دوسری محفلِ سماع ایک معمولی سی تحصیل میں منعقد ہوئی۔ مقصد دونوں کا ایک تھا۔ مشاعرے کے مہتمم، صاحبِ ضلع اور محفل کے کرتا دھرتا پولیس کے ایک تھانیدار صاحب تھے۔ سنا گیا ہے کہ حصولِ مقصد کے اعتبار سے بزمِ سرود مشاعرے سے زیادہ کامیاب رہی۔

ہمارے ایک دوست یوپی میں کسی ڈسٹرکٹ بورڈ کے چیئرمین ہیں، وہاں ہر سال ایک صنعتی نمائش ہوتی ہے کل ان کا ایک خط ہمیں ملا جس میں فرماتے ہیں کہ ''اس سال نمائش کے ضمیمے کے طور پر یہاں ایک آل انڈیا قسم کا مشاعرہ بھی ہو رہا ہے اور مجھے اس کے انتظامات کے سلسلے میں سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں''۔ سبحان اللہ! بچپن میں ہم نے بھی ایک دفعہ میرٹھ کی سالانہ نمائش دیکھی تھی۔ نوچندی کا میلہ تھا اور جابجا اربابِ نشاط کے ڈیرے لگے ہوئے تھے، لوگ باگ میلہ دیکھ کر فارغ ہوتے تو ان خیموں میں آکر آنکھوں کا نور اور کانوں کا سرور حاصل کرتے ہیں، غالبًا اسی لیے ان کی جگہ آل انڈیا قسم کے مشاعرے برپا کیے جاتے ہیں۔

بات دراصل یہ ہے کہ عوام و خواص مشاعروں کی نسبت ایک شدید غلط فہمی میں مبتلا ہیں، وہ مشاعرے کو تفریح کا ایک

مہذب ذریعہ سمجھتے ہیں، حالاں کہ حقیقت اس کے بالکل خلاف ہے۔ ہمارے نزدیک مشاعرے کی تفریحی قدر Entertainment Value بہت کم ہے اور واقعی کم ہونی چاہیے۔ اگر آپ کو کسی نیک مقصد کے حصول کے پیشِ نظر عوام کے لیے کوئی موقعِ تفریح مہیا کرنا ہے اور اس کے بدلے اُن سے زرِ نقد وصول کرنا ہے اِن کی طبائع پر کوئی اثر ڈالنا ہے تو اس کے لیے بیسیوں بہتر ذرائع موجود ہیں۔ مشاعرے جیسے خالص علمی اور ادبی ادارے کو آپ کیوں اس کی سطح سے گراتے ہیں مگر اس میں اربابِ اختیار کا چنداں قصور نہیں بلکہ ہمارے بیش تر شعرا کو یہ خود احساس نہیں کہ ان کی حیثیت ایک سنجیدہ حیثیت ہے اور انہیں عوام کی ارزاں تفریح کے لیے نہیں، بلکہ سماج کے ذہنی نشو و ارتقا کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ ہمارے موجودہ مشاعروں کا ماحول خالص تفریحی ہوتا ہے اور سامعین کی بیش تر تعداد وہاں لطفِ سماع یا تسکین ذوقِ مزاح کے لیے جاتی ہے اور دونوں مشاغل میں دل کھول کر حصہ لیتی ہے۔

ایک زمانہ وہ تھا جب مشاعروں کے لیے خالص طرحی غزلیں لکھی جاتی تھیں۔ ہفتوں پہلے استاد اپنے شاگردوں کو نکتے سمجھاتے تھے، ان کی زبان صاف کرتے تھے، ان کے انداز نکھارتے تھے۔ پھر جب مشاعرے میں آمنے سامنے یہ غزلیں پڑھی جاتی تھیں تو نکتہ وری بے طلب داد دیتی تھی اور فن کاری حوصلہ پا کر نئی بلندیوں تحریک یا تقریب کے محتاج نہیں ہوتے تھے اور نہ کسی آمدنی کا ذریعہ بنتے تھے۔ ان میں وہی لوگ شرکت کرتے تھے جنھیں ذوقِ سخن وہاں کشاں کشاں لے جاتا تھا۔ قہقہوں، چیخوں اور بدتمیزی کے دیگر مظاہر کو یہاں مطلق دخل نہ تھا۔ نومشق شعرا ڈرتے ڈرتے شعر پڑھتے اور پختہ کار استاد مصرع اٹھاتے اٹھاتے اصلاح دے جاتے۔ پھر اگر سخنوری کے نکتے اور فن کی خوبیاں ایسی مجالس میں نہ اُبھرتیں تو اور کہاں فروغ پاتیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری غزل نے مشاعرے کے زیرِ تربیت ایسی ترقی کی کہ اس کی نظیر نایاب ہے۔

یا پھر یہ زمانہ ہے کہ ہال تماشائیوں سے کھچا کھچ بھرا ہے اور ان میں سے بیش تر حضرات کچھ سننے کے لیے نہیں بلکہ محض آوازے کسنے کے لیے تشریف لائے ہیں اور جو شاعر اسٹیج پر آتا ہے، اس سے ترنم کی فرمائش کرتے ہیں کیونہ ہو صاحب، آخر اسی چیز کے لیے تو انہوں نے چونی کا ٹکٹ خریدا ہے، ورنہ وہ دو پیسے اور ڈال کر سنیما ہی نہ چلے جاتے اور وہاں مزے سے منّی جان کے ایک نہ دو اکٹھے تیرہ گانے سُن کر آتے۔ ہم نے بار بار دیکھا ہے کہ کسی بدنصیب شاعر نے کوئی اچھی سی غزل تحت اللفظ پڑھنی شروع کی اور ترنم باز حضرات کی صفوں میں بے چینی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ جو چشم زدن میں ایک خاصہ ہنگامہ بن گئی۔ اب شاعر بار بار کوشش کرتا ہے کہ حاضرین کی کم از کم تعداد ہی اس کا ایک آدھ شعر سن لے اور صاحبِ صدر بھی بار بار للکارتے ہیں مگر توبہ، یہاں چونی حلال کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔ آخر شاعر نا کام اپنا سا منہ لے کر سٹیج سے اُتر جاتا ہے اور اس کی جگہ لپک کر ایک گلے باز حضرت تشریف لے آتے ہیں اور پہلا مصرع ہی اس طرح گہرا کر پڑھتے ہیں کہ شور و غوغا دھیما ہوتے ہوتے ایک گنگناہٹ کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور دوسرے مصرعے کے آتے آتے مکمل خاموشی چھا جاتی ہے اور پھر داد جو ملنی شروع ہوئی تو اللہ دے

اور بندہ لے۔ بچ تھپتھپائے جا رہے ہیں۔ تالیاں، ایک مقررہ تال پر سرور ساتھ دیے جاتی ہیں اور ٹیپ پر پہنچتے پہنچتے ٹوپیاں اچھلنے لگتی ہیں اور تحسین و مرحبا کی صداؤں سے ہال کی چھت اُڑنے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔

ہمارا خیال بلکہ اعتقاد ہے کہ اس بے تکے ماحول میں فن اور فن کار دونوں پستی کی جانب جا رہے ہیں۔ فن کار کے دل سے اپنی صحیح قیمت کا احساس مِٹ چکا ہے وہ ایک تفریح طلب پبلک کا مطالبہ بے چُون و چرا پورا کر دیتا ہے اور اس کے صلے میں ایک ارزاں قسم کی شہرت یا بعض صورتوں میں چند کاغذی سکّے بہ رضا و رغبت قبول کر لیتا ہے۔ بعض طبع حضرات ایک ہی نظم دو دو برس تک مختلف مشاعروں میں سناتے رہتے اور کہیں سے خراجِ تحسین اور کہیں سے باج نقد وصول کیے چلے جاتے ہیں۔

مگر نظم ہے کہ باسی ہونے میں نہیں آتی۔ وہ طرحی غزلوں کا دور گیا جب کسی مشاعرے میں چمکنے کے لیے خونِ جگر پینا پڑتا تھا، اب ترقی کا زمانہ ہے ان باتوں کا کون پوچھتا ہے۔ ایک سڑی بُھسی نظم جیب میں ڈال لی اور اپنا مزے سے مدّتوں کام چلاتے رہے، نہ انہیں تکلیف نہ مشاعرے والوں کو پریشانی۔ دونوں اپنی اپنی جگہ خوش اور پبلک اپنی جگہ۔ بلکہ پبلک تو اپنی خوشی اور طرح بھی پوری کر لیتی ہے مثلاً کسی امدادی چندے کے سلسلے میں کوئی مشاعرہ ہے۔ اب منطق کا تقاضا تو یہ ہے کہ شعرائے کرام ایسی چیزیں سنائیں جو پیشِ نظر مقصد سے بھی کچھ مناسبت رکھتی ہوں۔ مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے بلکہ اگر کسی شاعر نے موقع و محل کے اعتبار سے مثلاً سپاہی کی بیوہ پر نظم پڑھنی شروع کی تو پیچھے سے آوازیں آنے لگیں گی راج کماری، راج کماری۔ غالباً آپ کی ایک مشہور رومانی نظم ہے اور پبلک آپ سے یہی چیز سننا بلکہ گوانا چاہتی ہے۔ اب شاعر اگر عقل مند ہے اور اپنی بے آبروئی نہیں کرانا چاہتا تو بیوہ کو چھوڑ کر راج کماری گانے لگ جائے گا۔ بہت برس گزرے بعینہٖ ایسی ہی صورت لاہور کے ایک مقامی تھیٹر میں تقریباً ہر روز پیش آیا کرتی تھی۔ ماسٹر لبھو ایک خوش گلو ایکٹر تھے اور اس زمانے میں لالہ نانک چند کی تھیٹریکل کمپنی سے وابستہ، اُن دنوں لاہور میں ایک گانا بہت چل رہا تھا۔ ''چھوٹی بڑی سوئیاں''۔ اب کمپنی نے ایک المیہ کھیل لگا رکھا ہے مثلاً ''ہملٹ یا خونِ ناحق'' ماسٹر لبھو اس کے ایک سین میں ہملٹ بنے۔ اپنے آپ سے باتیں کر رہے ہیں اور اسی سلسلے میں وہ ایک پُرسوز نوحہ شروع کر دیتے ہیں مگر پبلک کو اس گانے سے چنداں دلچسپی نہیں۔ معاً پچھلی گیلری میں سے ایک آواز ہوتی ہے ''سوئیاں'' اور سا کے اٹھتے ہی ہال کے ہر کونے سے ''سوئیاں، سوئیاں'' کی پر زور آواز آنے لگ جاتی ہیں۔ اب ماسٹر لبھو کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ اپنے پُرسوز و پُرالم نوحہ کو چھوڑ کر سوئیاں گانے لگ جائے۔ ذرا خیال فرمائیے! شہزادہ ہملٹ سیاہ ماتمی لباس زیب تن کیے، اپنے باپ کا مرثیہ پڑھنے کی بجائے سوئیاں گا رہا ہے اور پبلک مزے لوٹ رہی ہے۔

قریب قریب یہی کیفیت ہمارے ان شاعروں، مشاعروں اور شاعرہ باز حضرات کی ہے اللہ اپنا رحم کرے۔

(مولانا صلاح الدین احمد ایک مطالعہ)

مشق

۱۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

الف) مشاعرے غزل کے ارتقا میں کیا کردار ادا کرتے ہیں؟

ب) بزمِ سرور مشاعرے سے کیوں کامیاب رہی؟

ج) عوام و خواص مشاعروں کے بارے میں کس قسم کی غلط فہمی میں مبتلا ہیں؟

د) مصنف مشاعرے کی تفریحی قدر کو کیوں کم سمجھتے ہیں؟

ہ) پچھلے زمانے میں کس قسم کے مشاعروں کا انعقاد ہوتا تھا؟

و) کس قسم کے شاعر حضرات کو ناظرین زیادہ پسند کرتے تھے؟

ز) بہ قول مصنف اس طرح کے ماحول میں فن اور فن کار دونوں کس طرح پستی کی جانب گامزن ہوتے ہیں؟

۲۔ سبق کے متن کے مطابق درست جواب کا انتخاب کریں۔

الف) سٹیج پر شاعر سے فرمائش ہوتی تھی۔

(i) ترنم کی (ii) غزل کی
(iii) نظم کی (iv) تحت اللفظ کی

ب) کہنے کی باتیں تخلیق ہے:

(i) محمد حسین آزاد کی (ii) شبلی نعمانی کی
(iii) ڈاکٹر وزیر آغا کی (iv) مولانا صلاح الدین احمد کی

ج) صنفِ ادب کے لحاظ سے "کہنے کی باتیں" ہے:

(i) افسانہ (ii) ناول
(iii) داستان (iv) طنز و مزاح

د) مصنف شاعر کو سمجھتا ہے:

(i) تفریح کا ذریعہ (ii) سماج کی نشو و ارتقا کا ذریعہ
(iii) تعلیم و تربیت کا ذریعہ (iv) چندہ جمع کرنے کا ذریعہ

ہ) مصنف کے زمانے سے پہلے رواج تھا:

(i) طرحی مشاعروں کا (ii) فرشی مشاعروں کا
(iii) تفریحی مشاعروں کا (iv) رومانوی مشاعروں کا

۳۔ سبق کے متن کے مطابق درست کی نشاندہی (✓) اور غلط کی (✗) سے کریں۔

الف) موجودہ دور میں طرحی مشاعروں کا رواج نہیں رہا۔

ب) مشاعرہ محفل سرور سے زیادہ کامیاب رہا۔

ج) ناظرین تحت اللفظ غزل سننے کو زیادہ ترجیح دیتے تھے۔

د) ترنم سے غزل پڑھنے والوں کی حوصلہ شکنی ہوتی تھی۔

ہ) مصنف کے زمانے کے اکثر مشاعروں کا ماحول خالص تفریحی ہوا کرتا تھا۔

۴۔ سبق کے متن کے مطابق خالی جگہ درست الفاظ سے پُر کریں۔

الف) غزل کی ترقی میں .... کا بڑا کردار ہے۔ (مشاعروں / رسالوں / شعرا)

ب) مصنف کے زمانے میں مشاعروں میں بیش تر حضرات .... کے لیے تشریف لاتے تھے۔
(آوازے کسنے / سنجیدگی سے سننے / لطف اندوز ہونے)

ج) اساتذہ کرام .... مشاعروں کے لیے شاگرد تیار کرتے تھے۔ (طرحی / آزاد / پابند)

د) مصنف کے زمانے سے پہلے زمانہ میں مشاعروں کا ماحول .... ہوا کرتا تھا۔
(سنجیدہ / مزاحیہ / طنزیہ)

ہ) سنجیدہ مشاعروں کا رواج .... ہو رہا ہے۔ (ختم / زیادہ / کم)

۵۔ بہ حوالہ متن درج ذیل عبارت کی تشریح کریں۔ نیز سیاق و سباق بھی لکھیں۔
''ایک وہ زمانہ تھا جب .... وہاں کشاں کشاں لے جاتا تھا''۔

۶۔ سبق ''کہنے کی باتیں'' کا مرکزی خیال تحریر کریں۔

۷۔ سبق ''کہنے کی باتیں'' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیں۔

۸۔ پچھلے زمانے اور موجودہ زمانے کے مشاعروں کا تقابلی جائزہ لیں۔

سرگرمیاں

۱۔ اساتذہ کرام طلبہ سے دفتری احکام، یادداشتیں، نکاح نامہ کے فارم وغیرہ پُر کروائیں۔
۲۔ عدالتی فیصلے، وکالت نامے اور قانونی تشریحات سمجھ کر پڑھوائیں۔
۳۔ سائنسی اور تکنیکی، پیشہ ورانہ تحریریں سمجھ کر پڑھوائیں۔

اشاراتِ تدریس

۱۔ اساتذہ کرام طلبہ کو طرحی غزل سے آگاہ کریں۔
۲۔ مولانا صلاح الدین احمد کے اسلوبِ نثر سے آگاہ کریں۔
۳۔ اُردو مضمون نویسی میں مولانا صلاح الدین احمد کے مقام پر لیکچر دیں۔